حیات طیبہ کے چند جذباتی لمحات

مکی دور

عبدالحمید صدیقی

شعور کی طرح جذبہ انسانی زندگی کے لیے خداوند تعالیٰ کی ایک مستقل اور لازوال نعمت ہے۔ جب تک انسان سانس لیتا ہے جذبہ بھی اس کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ البتہ اس کی کیفیات' حالات' ماحول اور مزاج کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی یہ ہلکی سی لے کی طرح انسان کے اندر ارتعاش پیدا کرتا ہے' کبھی یہ شدت اختیار کر کے اس کی زندگی میں زلزلہ اور طوفان اٹھاتا ہے' کبھی روحانی کیف و مستی کے زیر اثر آکر قلندرانہ وجد و حال کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے' کبھی یہ ایسی خاموش اور پرسکون روش اختیار کر لیتا ہے کہ اس کی حرکت و حرارت کا احساس تک نہیں ہوتا' لیکن یہ کسی نہ کسی صورت میں بہرطور موجود ضرور رہتا ہے۔

ایک عام انسان اور نبی کے ارفع مقام کے درمیان جو امتیاز ہے' اس کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نبی چونکہ نوع بشری کی رشد و ہدایت کے لیے مامور ہوتا ہے اس لیے اس کا تعلق نوع انسان ہی سے ہوتا ہے اور وہ انسانی داعیات کے ساتھ ہی انسانی معاشرے کے اندر اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ غم کے لمحات میں وہ دل گرفتہ اور بے چین ہوتا ہے' خوشی کے مواقع پر اس کا دل راحت اور آسودگی محسوس کرتا ہے' اعدائے دین کی چیرہ دستیاں اور دل آزاریاں اور راہ حق سے انحراف کے لیے ان کی ہٹ دھرمیاں اسے رنجیدہ اور مغموم کرتی ہیں۔ رفقا کی کوتاہیوں پر وہ ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مسرور ہوتا ہے۔ الغرض بھوک' پیاس' علالت' عزیزوں اور دوستوں کی وفات' زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز' پریشانیاں اور الجھنیں اسے دوسرے انسانوں کی طرح ہی متاثر کرتے ہیں' تو ان اثرات کے ہجوم میں بھی وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو اس کے عظیم مرتبے سے فروتر ہو۔ وہ ان نوع بہ نوع مختلف حالات میں بھی سیرت و کردار کا اعلیٰ نمونہ

پیش کرتا ہے اور اس مثالی طرز عمل کا اظہار کرتا ہے جس کا حکم اسے مالک کائنات نے دیا ہے۔ چنانچہ وہ خوشی کے موقع پر خوش تو ہوتا ہے مگر لہو و لعب میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے خالق کے سامنے سجدہ شکر بجا لاتا ہے جس نے اس کے لیے مسرت و شادمانی کا سامان پیدا کیا۔ اسی طرح وہ دکھ اور مصائب میں رنجیدہ خاطر تو ہوتا ہے مگر کسی قسم کا احتجاج نہیں کرتا بلکہ اس قادر مطلق کی طرف رجوع کرتا ہے جو ناخوشگوار حالات پیدا کرنے اور تنگی کو فراخی میں بدلنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

جس طرح عقل کو زندگی سے خارج کر کے محض جذبات کے سہارے زندہ رہنا فطرت کے خلاف جنگ ہے' اسی طرح حیات انسانی کو جذبات سے محروم کر کے یا انھیں پوری طرح دبا کر محض شعور اور آگہی کے بل بوتے پر زندگی بسر کرنا انسانی جان کے ساتھ انتہائی ناانصافی ہے۔ شعور و جذبہ دونوں کا زندگی میں اپنا اپنا مقام اور کردار ہے اور دونوں کے حسین امتزاج ہی سے زندگی میں توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ اس مضمون میں حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور دلاویز زندگی کے جذباتی لمحات میں آپ ؐ کے خدا پرستانہ طرز عمل کی چند جھلکیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ محترمہ اور جد امجد کی وفات پر جس طرح دل گیر ہو کر آنسو بہائے اس سے آپ ؐ کے جذبات کی گہرائی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پھر غار حرا میں جب جبرائیل امین وحی لے کر پہلی بار حضور ؐ کے سامنے ایک نورانی پیکر میں نمودار ہوئے تو آپ ؐ قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئے کیونکہ آپ ؐ ان کی ذات سے پہلے آشنا نہ تھے۔ چنانچہ آپ ؐ گھبراہٹ کے عالم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر تشریف لائے اور انھیں فرمایا: "زملونی" (مجھے کچھ اڑھاؤ)۔ جب کچھ دیر کے بعد گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ ؐ نے اپنی رفیقہ حیات ؓ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ یہ سن کر ان سعادت مند خاتون نے جو آپ ؐ کے اوصاف حمیدہ سے پوری طرح واقف اور آپ ؐ کی عظمت کی سب سے زیادہ معترف تھیں' یہ کہہ کر آپ ؐ کو تسلی دی: آپ ؐ ہرگز خوف زدہ نہ ہوں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ خدا کی قسم مالک الملک آپ ؐ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ؐ صلہ رحمی کرنے والے' راست گو' لوگوں کے بار اٹھانے والے' ناداروں اور مسکینوں کی خبرگیری کرنے والے ہیں۔ آپ ؐ امین ہیں اور مہمان نوازی کا حق ادا کرتے ہیں اور ناسازگار حالات میں لوگوں کی اعانت اور دستگیری کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

جب آپ ؐ نے حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا تو ہر طرف سے آپ ؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ لیکن آپ ؐ خداوند تعالیٰ کی تائید کے سہارے پورے صبر و ثبات کے ساتھ یہ فرض سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اس اثنا میں ایک نازک مرحلہ ایسا بھی آیا' جس میں حضور ؐ کے

مربی اور کفیل جناب ابو طالب بھی قریش کے دباؤ کے تحت اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دین کے کام سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ حضورؐ کی زندگی کے جذباتی لمحات میں یہ ایک نہایت ہی نازک لمحہ تھا۔ ایک طرف قریش کی مخالفت اور مخاصمت تھی اور دوسری طرف وسائل کی کمی اور پیارے چچا' جو دنیاوی سہاروں میں حضورؐ کے لیے واحد طاقتور سہارا تھے' کی مجبوریاں تھیں۔ ان صبر آزما لمحات میں یہ عین ممکن تھا کہ اگر آپؐ اپنے چچا کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیتے تو ان کی حفاظت اور کفالت سے محروم ہو جاتے اور پھر آپؐ کو قریش کی دراز دستیوں سے بچانے والی کوئی موثر شخصیت اس معاشرے میں باقی نہ رہتی۔ ابن ہشام میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جب قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی سرگرمیوں پر' اور ان سے جو نقصان ان کے آبائی دین کو پہنچ رہا تھا' اس پر جناب ابو طالب سے شکایت کی تو انھوں نے حضورؐ کو بلایا اور محبت بھرے لہجہ میں کہا: اے جان برادر! تمھارے قبیلے کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھ سے اس طرح کی باتیں کیں (اور وہ باتیں بیان کیں جو انھوں نے کہی تھیں) خدارا مجھ پر رحم کرو اور خود اپنی جان پر بھی رحم کرو۔ مجھ پر ایسا بار نہ ڈالو جس کا میں متحمل نہیں ہو سکتا۔

راوی کا گمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایسا احساس ہوا کہ ان کے چچا ان کی دستگیری سے اب مجبوراً دست کش ہو رہے ہیں اور ظالموں اور آپؐ کے درمیان وہ حائل نہ رہیں گے۔ حضورؐ کی زندگی کا یہ بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔ ایک طرف کفر کی طاقت اور عداوت تھی تو دوسری طرف دنیوی اختیار سے بے بسی اور بے سروسامانی۔ ان حالات میں جو واحد مادی سہارا تھا وہ بھی اب ہمت ہار کر الگ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ حضورؐ نے اس اندوہناک صورت حال کو شدت سے محسوس کیا اور آپؐ کا دل بھر آیا اور آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ یہ ایک فطری عمل تھا لیکن غم و اندوہ کے ان لمحات میں بھی آپؐ نے خداوند تعالیٰ کے سہارے ہی کو اپنے لیے سب سے زیادہ مضبوط سہارا سمجھا اور عزم و یقین کے ساتھ فرمایا:

> چچا جان! قسم ہے خدا کی اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند اور مجھ سے اس کام سے باز رہنے (کا مطالبہ) کریں تو میں اسے کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے۔ یا میں (اس جدوجہد) میں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دوں۔ (ابن ہشام' جلد ۱' ص ۲۶۶)

جناب ابو طالب' حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان الفاظ سے بڑے متاثر ہوئے اور کہا: "جان عزیز! جہاں جس طرح تمھارا جی چاہتا ہے دعوت دین کا کام کرتے رہو۔ میں تمھاری

معاونت سے کبھی دست بردار نہ ہوں گا"۔

حضورؐ نے اپنے چچا کے ان احسانات کو ہمیشہ یاد رکھا۔ دنیاوی معاملات میں بڑی خوش دلی سے ان کا ہاتھ بٹایا' روپے پیسے سے ان کی مدد کی' ان کے بچوں کی پرورش اور نگہداشت پر توجہ دی' ان کے سامنے ہر موزوں موقع پر دین کی دعوت پیش کی تاکہ وہ مسلمان ہوکر دوزخ کے عذاب سے بچ جائیں۔ حضورؐ اپنے چچا کی آخرت سنوارنے کے بارے میں کس قدر فکرمند تھے' اس کا اندازہ حضورؐ کی اس پرزور التجا اور دعا سے لگایا جاسکتا ہے جو آپؐ نے جناب ابوطالب کی وفات کے وقت ان کے سامنے کی اور ان کی وفات کے بعد خدا کے حضور میں ان کی مغفرت کے لیے کرتے رہے۔ اس التجا اور دعا میں حضورؐ کے اپنے چچا کے بارے میں جذبات کی اچھی طرح عکاسی ہوتی ہے۔

مسند احمد' بخاری' مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب جناب ابوطالب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپؐ نے فرمایا: چچا جان' آپ ایک مرتبہ لَاَ اِلٰہ اِلَّا اللہ تو کہہ دیجیے تاکہ مجھے خدا کے سامنے آپ کی شفاعت اور سفارش کے لیے ایک حجت اور دلیل مل جائے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ باپ کے دین کا واسطہ دے کر انھیں کلمہ شہادت پڑھنے سے تاکیداً باز رکھتے رہے اور حضورؐ بار بار انھیں زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنے کی التجا کرتے رہے۔ مگر وہ نہ مانے اور انھوں نے عبدالمطلب ہی کے دین پر دنیا سے رخصت ہونا پسند کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ اپنے چچا کے لیے مسلسل دعاے مغفرت مانگتے رہے' یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

حضورؐ اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے بھی بڑا جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کی معاونت اور دستگیری کو حضورؐ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو آپ بڑے آزردہ خاطر ہوئے۔ ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد حضورؐ کے دل میں ان کی محبت اور احترام آخری دم تک موجود رہا۔ جب کبھی ان کا ذکر آتا تو آپؐ مغموم ہو جاتے اور بسااوقات آپؐ کے جذبات خلیج چشم سے آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلتے۔ جب بھی ان کی کوئی چیز سامنے آتی تو آپ کا دل بھر آتا۔ حضرت ابوالعاص جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے اور داماد تھے' جنگ بدر میں گرفتار ہوئے اور اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر ابوالعاص کے فدیے میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہؓ نے شادی کے وقت انھیں دیا تھا۔ حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس ہار کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور صحابہؓ سے فرمایا: "اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ مجھے حضورؐ کی ازواج مطہرات میں کسی اور زوجہ محترمہ پر اتنا

رشک نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجہ ؓ پر۔ حضور ؐ ان کی سہیلیوں کو وقتاً فوقتاً تحائف بھیجتے اور ان کا کثرت سے تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: "آپ ؐ کے دل و دماغ پر تو خدیجہ ؓ ہی چھائی رہتی ہیں"۔ اس پر آپ ؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور فرمایا: "ہاں ان کی محبت کی خود اللہ نے میرے دل میں آبیاری کی ہے۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔ جب لوگوں نے میرے دعوۂ نبوت کو جھٹلایا تو انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب دوسرے لوگوں نے مجھے ہر چیز سے محروم رکھنے کی کوشش کی تو انھوں نے میری دستگیری کی"۔ (بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل)

جناب ابو طالب اور حضرت خدیجہ ؓ کی وفات سے حضور ؐ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ آپ ؐ نے ان کے سال وفات کا نام ہی عام الحزن رکھ دیا تھا۔ لیکن ان المناک حوادث سے دوچار ہونے کے باوجود آپ ؐ دعوت دین کے لیے پاپیادہ ہی مکے سے نکل کھڑے ہوئے اور طائف تک راستے میں جتنے قبائل آباد تھے' سب کو اللہ کا پیغام سناتے چلے گئے۔ طائف پہنچنے پر آپ ؐ وہاں کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے سرداروں عبدیالیل' مسعود اور حبیب سے ملے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک بولا: میں کعبہ کے سامنے داڑھی منڈوا دوں گا اگر اللہ نے تجھے رسول بنایا ہو۔ دوسرے نے کہا: کیا خدا کو تیرے سوا کوئی اور رسول بنانے کو نہ ملا جس کو سواری تک میسر نہیں۔ اسے اگر رسول بنانا ہی تھا تو کسی حاکم اور سردار کو بناتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس طعنہ زنی اور بے ہودہ باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور تبلیغ دین میں برابر منہمک رہے۔ اس سے یہ سردار جھلا اٹھے اور انھوں نے شہر کے چھوکروں اور اوباش لوگوں کو حضور سرور عالم ؐ کو تنگ اور زچ کرنے پر اکسایا۔ چنانچہ عقل کے ان اندھوں نے آپ ؐ کو گالیاں دیں' تالیاں پیٹیں اور آپ ؐ پر پتھر پھینکے۔ آپ ؐ اس سنگ باری کے باعث لہو سے تربتر ہو گئے۔ خون بہہ بہہ کر جوتوں میں جم گیا اور وضو کے لیے پاؤں جوتے سے نکالنا مشکل ہو گیا۔ اس سفر مین آپ ؐ کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر ایک شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان حوصلہ شکن حالات میں جب ایک مقدس ہستی بھٹکے ہوئے لوگوں کو حق کی راہ دکھا رہی ہو اور وہ اس کے بدلے میں گالیوں اور پتھروں سے اس کی تواضع کر رہے ہوں اور اس کی زندگی کے درپے ہوں' انسان کے دل پر جو گزرتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ آدمی رنجیدہ خاطر ہوتا ہے' اس ظلم کے خلاف اس کے دل سے آہ نکلتی ہے' وہ ظالموں کو کوستا ہے اور انسان اس انداز پر سوچنے لگتا ہے کہ کیوں نہ حق کے ان باغیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور خدائی فیصلے کا انتظار کیا جائے؟ مگر ان حالات میں رحمت اللعالمین ؐ نہ تو

برہم ہوئے نہ مایوس بلکہ اپنے رب کے حضور یوں دعاگو ہوئے:

الٰہی اپنی کمزوری ، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر پر تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کو میرے اوپر قابو دے رکھا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے پھر کسی چیز کی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور میں پناہ چاہتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضا اور خوشنودی درکار ہے۔ اور کوئی طاقت تیری طاقت کے سوا نہیں ہے۔ (زاد المعاد ، جلد ۲ ، ص ۱۲۳ ، ۱۲۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر غمگین و رنجیدہ دیکھ کر جبرائیل امین تشریف لائے اور کہا: آپ ؐ کی قوم نے آپ سے جو ناروا سلوک کیا ہے۔ اللہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔ اگر آپ ؐ چاہیں تو ان ظالموں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان پیس دیا جائے۔ لیکن اس غم و اندوہ کے عالم میں بھی حضور سرور دوعالم ؐ نے یہ جواب دیا کہ:

نہیں ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ مولائے کریم ان کی نسلوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ (زاد المعاد از ابن قیم ، جلد ۲ ، ص ۱۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے جان نثار شعب ابی طالب میں مسلسل تین سال تک محصور رہے اور اس مدت میں قریش نے جس طرح ان پر عرصہ حیات تنگ کیا وہ ایک دل دہلا دینے والی داستان ہے۔ مگر حضور ؐ نے خداداد بصیرت کے ذریعے رنج و محن کے ان سالوں کو بھی تربیت کا دور بنا دیا اور شعب ابی طالب کی تربیت گاہ میں ساتھیوں کی اچھی طرح تربیت کی تاکہ مستقبل قریب میں انھیں جس قسم کی مشکلات پیش آنے والی ہیں وہ ان سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکیں۔ جو ہستی بھوک ، پیاس ، معاشرتی مقاطعے اور قید کے لرزہ خیز مصائب کے اندر اپنے رفقا کے حوصلے بلند رکھنے کا التزام کرتی ہے اور ان کے ذریعے ان میں سیرت و کردار کی پختگی پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہے ، وہ کس قدر عظیم ہو گی؟

قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضورؐ اور آپؐ کے فدائیوں کے خلاف ترغیب و ترہیب کا کوئی ہتھیار کارگر ثابت نہیں ہو رہا اور دعوت دین کا کام ان کی ساری ستم رانیوں کے باوجود مسلسل آگے بڑھ رہا ہے تو وہ حضورؐ کے قتل کے درپے ہوئے۔ ادھر حضورؐ سرور دو عالم نے بھی حالات کی نزاکت کو پوری طرح بھانپ لیا اور یہ محسوس کر لیا کہ سرزمین مکہ دین حق کو ایک اجتماعی قوت میں ڈھالنے کے لیے موزوں نہیں، اس کے لیے کسی اور جگہ کی تلاش ضروری ہے۔ چنانچہ آپؐ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا فیصلہ کیا۔ کفار مکہ کو بھی آپؐ کے اس ارادے کا علم ہو گیا اور انھوں نے ہر قبیلے کے ایک ایک آدمی کو جمع کر کے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ساتھ حملہ کر کے (معاذ اللہ) ان کا کام تمام کر دیں تاکہ وہ چشمہ عرفان ہی باقی نہ رہے۔ جبرائیل امین کے ذریعے حضورؐ کو بھی ان کے ان ناپاک عزائم کی اطلاع ہو گئی۔ جس رات حضورؐ نے مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا وہی رات اعدائے دین نے حضورؐ پر قاتلانہ حملے کے لیے منتخب کی۔ ان حالات میں حضورؐ کی جذباتی کیفیت پر غور کریں۔ جس سرزمین میں آپؐ نے جنم لیا، عہد طفولیت گزارا، جوان ہوئے، رشتہ مناکحت استوار کیا، نبوت سے سرفراز فرمائے گئے اور جس میں قدم قدم پر آپؐ کے بزرگوں کی یادگاریں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر جو خطہ ارضی بیت اللہ کی موجودگی کی وجہ سے روحانیت کا مرکز و محور تھا، اسے حضورؐ محض خالق کائنات کی خوشنودی کی خاطر خیرباد کہہ کر ایک اجنبی جگہ اور اجنبی ماحول میں آباد ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ مکہ کو الوداع کہتے ہوئے حضورؐ کی قلبی کیفیت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؐ نے اس موقع پر ارشاد فرمائے:

> خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر زمین ہے۔ اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ اگر میں نکالا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا۔ (ترمذی) تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔
>
> (احمد و ترمذی)

پھر شہر سے نکلنا بھی انتہائی پر خطر تھا۔ خواب گاہ کو خون کے پیاسوں نے اس طرح گھیرے میں لے رکھا تھا کہ کوئی جائے فرار نہ تھی۔ الغرض ہر طرف آلام اور تفکرات ہی تھے۔ گھربار چھوڑنے کا غم قرابت داروں کی جدائی کا غم، اپنے کمزور اور بے بس جان نثاروں کے ظالموں کی تحویل میں رہ جانے کا غم، بیت اللہ سے بعد اور دوری کا غم اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے مختلف قسم کی پریشانیاں اور اندیشے لاحق تھے۔ اس قسم کے المناک حالات میں بھی اللہ کے برگزیدہ نبیؐ نے سکون خاطر برقرار رکھا۔ اس امینؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں انھیں اپنے عم زاد بھائی کے ذریعے ان کے مالکوں

تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام فرمایا اور بڑے وقار اور اعتماد کے ساتھ اپنے فدائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش کو جب اپنے منصوبے کی ناکامی کا علم ہوا تو انھوں نے آپ ؐ کے تعاقب میں چاروں طرف اپنے آدمی دوڑا دیے حتیٰ کہ وہ ایک غار کے دھانے تک جا پہنچے جہاں آپ ؐ پناہ گزین تھے۔ اس اثنا میں آپ ؐ کے جان نثار رفیق ؓ نے گھبرا کر کہا: "حضور ؐ ان میں سے اگر کسی کی نظر اپنے قدموں پر پڑ جائے تو ہم اس کی نگاہ سے بچ نہ سکیں گے"۔ آپ ؐ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

نیز آپ ؐ نے یہ بھی فرمایا: اے ابوبکر ان دو آدمیوں کے متعلق تمھارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

تو بالکل غم نہ کھا یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

خریداروں اور ایجنٹس کی توجہ کے لیے

اگر آپ کے پتے پر پوسٹل کوڈ درج نہیں ہے' (یا درست نہیں ہے) تو ازراہ کرم فوری طور پر اپنے خریداری نمبر (یا ایجنسی نمبر) کے ساتھ' اپنے پوسٹل کوڈ سے مطلع فرمایئے۔

اسے نہایت ضروری سمجھیے۔ ڈاک خانہ والوں کا نوٹس ہے کہ کوڈ نمبر کے بغیر وہ پرچہ نہیں لیں گے۔

مینیجر

ماہنامہ ترجمان القرآن

۵' اے ذیلدار پارک اچھرہ' لاہور۔۔ ۵۴۶۰